عدالتِ صحابہؓ

ملک غلام علی صاحب

ایک بنیادی مغالطہ مولانا مودودی نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" کی ایک ضمنی بحث میں جو کچھ امیر معاویہؓ کے متعلق لکھا تھا اور اس کی تردید و تنقید میں جو کچھ "البلاغ" میں چھپا ہے میں اس پر اپنی تفصیلی گزارشات "ترجمان القرآن" کے صفحات میں پیش کر چکا ہوں۔ اس سلسلے کی آخری قسط یزید کی ولی عہدی کے متعلق ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ کے شمارے میں شائع ہوتی ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں چند مزید توضیحات، بالخصوص "البلاغ" جمادی الاُخریٰ کے مندرجات کا جواب میرے ذمے باقی تھا، مگر اس سلسلے کو طول دینا بوجوہ مَیں نے مناسب نہیں سمجھا، اس لیے میں اب اس بحث کو سمیٹ دینا چاہتا ہوں۔ البتہ مدیر "البلاغ" نے اصولی مباحث کے زیرِ عنوان "عدالتِ صحابہ" کے مسئلے پر آخر میں جو کچھ لکھا ہے اس سے ایک حد تک تعرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، جب سے کتاب "خلافت و ملوکیت" معرضِ وجود میں آئی ہے، بعض حضرات نے بڑے زور شور سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس میں جو واقعات درج کیے گئے ہیں ان سے صحابہ کرامؓ کی عدالت مجروح ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں عدالتِ صحابہؓ کا ایک ایسا تصور و نظریہ پیش کیا گیا ہے جو انبیاء علیہم السّلام کے متعلق اہلِ سنت کے عقیدۂ عصمت سے فی الحقیقت کچھ بھی مختلف نہیں ہے، بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ شیعہ حضرات کے اس عقیدۂ عصمت کے مشابہ ہے جو وہ اپنے ائمہ معصومین کے بارے میں رکھتے ہیں۔

ان معترضین کا اس کے ساتھ ایک مزید اعتراض یہ بھی ہے کہ ہم تک علمِ دین، یعنی کتاب و سنت پہنچنے کا ذریعہ و واسطہ صحابہ کرامؓ ہی تو ہیں، کبیرہ گناہوں اور جرائم کا الزام ان کے سر تھوپ دینے کے بعد آخر روایتِ قرآن و حدیث کے معاملے میں انہیں فرشتہ تسلیم کر لینے کی کیا وجہ ہے؟ اس عجیب و غریب استدلال میں جو مغالطے مضمر ہیں ان پر مفصل بحث کرنے سے پہلے میں ان حضرات سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔

وہ سوال یہ ہے کہ کیا اِن میں سے کسی صاحب نے کتاب اللہ کی آیات اور اس کے رسول ؐ کے ارشادات کو براہِ راست کسی صحابیٔ رسول سے سنا یا پڑھا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ سارے معترضین بشمول مدیر البلاغ تابعین کی صف میں داخل نہیں ہیں بلکہ بیچ میں راویوں کا ایک نہایت طویل سلسلہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روایتِ حدیث اور تبلیغ دین کے لیے عدالت کا جو معیار آپ صحابۂ کرام کے لیے وضع فرما رہے ہیں کیا اُس کو آپ پُورے سلسلۂ رواۃ پر نافذ اور چسپاں کریں گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو آخر کیوں نہیں؟ ہم میں سے کسی شخص پر بھی نصوص کتاب و سنت نہ جبریلؑ نے اتاری ہیں، نہ بذریعۂ وحی نازل ہوئی ہیں، نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابۂ کرام کا شرفِ مصاحبت و ملاقات ہمیں حاصل ہے۔ بہرحال کچھ غیر صحابی اور غیر تابعی لوگ ہی تھے جنہوں نے یکے بعد دیگرے اس دین کی امانت کو ہم تک پہنچایا ہے۔ اس لیے میری یہ درخواست ہے کہ براہِ کرم ہوا میں بلند پروازی اور فلک پیمائی کرنے کی سعی نہ فرمائیں اور روایتِ دین کے لیے عدالت و ثقاہت کا ایک ایسا پیمانہ اور معیار اختیار فرمائیں جس پر بیچ کے لوگ بھی پُورے اُتر سکیں۔ صرف قرآن کو مأخذ و حجتِ دین سمجھنے والے تو تواتر امت کی آڑ ایک حد تک لے سکیں گے، لیکن ہم جو احادیث کو بھی مأخذِ دین جانتے ہیں اور غیر متواتر و آحاد سے بھی دین اخذ کرتے ہیں، ہمیں بہرحال عقلِ سلیم سے کام لینا چاہیے اور راویانِ حدیث کی تعدیل و توثیق کے لیے ایسے اوصاف پر اصرار نہ کرنا چاہیے جن سے معاشرِ انبیاء کے سوا کوئی دوسرا گروہ متصف نہیں ہو سکتا۔ اور یہ حقیقت میں عنقریب ہی واضح کر دوں گا کہ عدالتِ صحابہ اور الصحابۃ کلھم عُدُول کی بحث کی ضرورت بھی روایتِ حدیث ہی کے ضمن میں پیش آئی ہے، ورنہ عقاید جزویہ اور ایمانیات سے یہ مسئلہ براہِ راست متعلق نہ تھا۔

عدالت کی تعریف اس ضروری تمہیدی گزارش کے بعد اب میں مسئلۂ عدالت کے دوسرے پہلوؤں پر بحث کروں گا۔ عدل اور عدالت کے الفاظ عربی زبان میں انصاف، بے لوثی اور راستبازی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، اور بعض اوقات "عدل" کا لفظ اسم فاعل کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے جس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جو عادل، راست باز اور قابلِ اعتماد ہو۔ قرآن مجید، سورۂ مائدہ، آیت ۹۵ اور آیت ۱۰۶ میں ذَوَا عَدْلٍ سے مراد دو صاحبِ عدل ثالث یا گواہ ہیں اور ان آیات کا اصل تعلق روایت کے بجائے شہادت

یا حکم سے ہے۔ روایت اور شہادت میں بعض لحاظ سے فرق ہے، مثلاً نابالغ یا ایک عورت کی شہادت اکثر حالات میں قابلِ قبول نہیں، حالانکہ اس کے برعکس صاحبِ تمیز لڑکے اور تنہا عورت کی روایتِ حدیث معتبر ہے۔ تاہم محدثین کے ہاں یہ امر مسلّم ہے کہ راویِ حدیث کو صفتِ عدالت سے متصف ہونا چاہیے۔ اس کے بعد یہ معلوم کرنا ضروری ہوگا کہ محدثین نے عدالت کا کیا مفہوم متعین فرمایا ہے۔ عدالت کی کوئی قطعی اور اصطلاحی تعریف چونکہ کتاب و سنت میں مذکور نہیں ہے اس لیے اصولیین نے عدالت کی جو تشریحات بیان کی ہیں ان میں تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ لیکن ان میں قدرِ مشترک بآسانی معیّن ہو سکتی ہے۔ میں سب سے پہلے حافظ ابوبکر احمد الخطیب بغدادی کی کتاب الکفایہ فی علم الروایہ، باب الکلام فی العدالۃ واحکامہا سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ خطیب بغدادی کے متعلق یہ مقولہ مشہور رہے کہ ان کے بعد آنے والے جملہ محدثین ان کے خوشہ چین و دست نگر ہیں (المحدثون بعدہ عیال علی کتبہ)۔

اس کتاب (مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ ص۷۹، طبع ۱۳۵۷ھ) میں حضرت سعیدؒ بن مسیّب کا قول امام زہری، امام مالک اور نیچے کی پوری سند کے ساتھ یوں منقول ہے:

لیس من شریف ولا عالم ولا ذی سلطان الّا وفیہ عیب لابدّ ولکن من الناس من لاتذکر عیوبہ من کان فضلہ اکثر من نقصہ وھب نقصہ من فضلہ	کوئی بزرگ، عالم اور حاکم ایسا نہیں ہے جس میں لازماً کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو، لیکن لوگوں میں سے جس کے عیوب کا چرچا نہ ہو اور جس کے فضائل اس کے نقائص سے زیادہ ہوں، اس کا نقص اس کے فضل کی بنا پر زائل ہو جائے گا۔

پھر امام شافعیؒ کا قول مع سلسلۂ اسناد درج ہے:

لا اعلم احداً اعطی طاعۃ اللہ حتی لم یخلطھا بمعصیۃ اللہ الا یحیی بن زکریا علیہ السلام، ولا عصی اللہ فلم یخلط بطاعۃ فاذا کان الاغلب الطاعۃ فھو المعدّل و	میرے علم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی ہو اور پھر اس میں اللہ کی نافرمانی کی آمیزش نہ کی ہو سوائے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے اور کوئی ایسا بھی نہیں ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی ہو

اذا کان الاغلب المعصیۃ فھو المجروح۔

مگر اس کے ساتھ اطاعت بھی نہ کی ہو۔ پس جس کی اطاعت اغلب ہو تو اُسے عادل قرار دیا جائے گا اور جس کی معصیت غالب ہو اُسے مجروح ٹھہرایا جائیگا۔

اسی طرح ابراہیم المروزی عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان سے راوی عدل کی صفات دریافت کی گئیں تو انہوں نے فرمایا:

من کان فیہ خمس خصال: یشہد الجماعۃ ولا یشرب ھذا الشراب ولا تکون فی دینہ خربۃ ولا یکذب ولا یکن فی عقلہ شیء۔

جس شخص میں پانچ خصائل ہوں: نماز باجماعت پڑھے اور شراب نہ پیے اور اس کے دین میں خرابی نہ ہو اور جھوٹ نہ بولے اور ناقص العقل نہ ہو۔

اس قول پر الکفایہ کے حاشیہ نگار لکھتے ہیں کہ اس قول کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے: اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ۔ پھر حاشیہ میں شعر لکھتے ہیں:

و من ذا الذی ترضی سجایاہ کلّہ

کفی المرء نبلًا ان تُعدّ معایبہ

(اور کون ایسا ہے جس کے سب خصائل پسندیدہ ہوں۔ آدمی کے شریف النفس ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کے عیوب بس گنے جا سکتے ہوں)۔

سب سے آخر میں خطیب بغدادی اپنا محاکمہ پیش فرماتے ہیں:

والواجب عندنا ان لا یرد الخبر ولا الشھادۃ الا بعصیان قد اتفق علی رد الخبر والشھادۃ بہ وما یغلب بہ ظن الحاکم والعالم ان مقترفہ غیر عادل ولا مامون علیہ الکذب فی الشھادۃ والخبر۔ ولو عمل

اور ہمارے نزدیک واجب ہے کہ روایت و شہادت صرف ایسے عصیان کی بنا پر رد کی جائے جس کے بارے میں سب کا اتفاق ہو کہ اس کی بنا پر حدیث اور شہادت رد کی جانی چاہیے اور جس سے حاکم اور عالم کو ظن غالب حاصل ہو جائے کہ اس عصیان کا مرتکب غیر عادل

العلماء والحکام علی ان لا یقبلوا خبرا ولا شہادة الا من مسلم بریٔ من کل ذنب قلّ او کثر لم یمکن قبول شہادة احد و لا خبره لان اللہ تعالیٰ قد اخبر بوقوع الذنوب من کثیر من انبیائه و رسله۔	ہے اور خطرہ ہے کہ وہ گواہی یا روایت میں جھوٹ بولے گا اگر علماء و حکام ایسا کرنے لگیں کہ وہ مسلمان کی روایت یا شہادت اس وقت تک قبول نہ کریں جب تک کہ وہ ہر قلیل یا کثیر گناہ سے پاک نہ ہو، تو پھر تو کسی کی شہادت و روایت قبول کرنا ممکن نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء و رسل سے بھی وقوعِ ذنب کی خبر دی ہے۔

عدالت اور اس کے احکام کے بارے میں حافظ الخطیب کی جو توضیحات اوپر درج ہوئی ہیں، ان میں ہمیں عدالتِ رواۃ کا ایک ایسا تصور ملتا ہے جو باعتبارِ عقل و نقل بالکل صحیح اور افراط و تفریط سے بری ہے۔ اس سے کوئی مختلف موقف اختیار کرنے کی صورت میں نہ صرف عدالتِ صحابہ کے متعلق اشکالات پیدا ہوتے ہیں، بلکہ صحابہ کرام سے نیچے کے طبقاتِ رجال اور ان کے واسطے سے ہم تک آنے والا ذخیرۂ حدیث بھی محفوظ و مامون نہیں رہتا۔ پھر اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے دیکھے تو عدالت کی ان تعریفات کی روشنی میں عثمانی صاحب کے ان ایرادات میں بھی کوئی وزن باقی نہیں رہتا جو انہوں نے اس ضمن میں "خلافت و ملوکیت" کی عبارتوں پر پیش فرمائے ہیں تاہم ان کا جائزہ لیتے ہوئے آئندہ سطور میں ان کی حقیقت بھی واضح کی جا رہی ہے۔

مولانا مودودی پر غلط الزام سب سے پہلے "البلاغ" میں مولانا مودودی کی درجِ ذیل عبارت کو ہدف بنایا گیا ہے:

> "یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی شخص سے کوئی کام عدالت کے منافی سرزد ہونے کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ صفتِ عدالت اس سے بالکلیہ منتفی ہو جائے اور ہم سرے سے اس کے عادل ہونے ہی کی نفی کر دیں اور وہ روایتِ حدیث کے معاملے میں ناقابلِ اعتماد ٹھہرے؟ میرا جواب یہ ہے کہ کسی شخص سے ایک دو یا چند معاملات میں عدالت کے منافی کام کر گزرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس

کی عدالت کی کلی نفی ہو جائے اور وہ عادل کے بجائے فاسق قرار پائے، درآں حالیکہ اس کی زندگی میں مجموعی طور پر عدالت پائی جاتی ہو۔"

اب مدیر "البلاغ" کا کارنامہ ملاحظہ ہو کہ توجیہ القول بمالا یرضیٰ قائلہٗ سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر مولانا مودودی کا یہ مفہوم ہے کہ صحابہ کرام صرف روایتِ حدیث کی حد تک عادل ہیں، ورنہ اپنی عملی زندگی میں وہ (معاذاللہ) فاسق و فاجر بھی ہو سکتے ہیں تو یہ بات ناقابلِ بیان حد تک غلط اور خطرناک ہے۔ اب ایک طرف مولانا مودودی کے محتاط الفاظ رکھیے کہ وہ صرف اتنی بات کہہ رہے ہیں کہ کسی شخص کے چند معاملات میں "عدالت کے منافی" کام کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عادل کے بجائے فاسق قرار پائے اور دوسری طرف مدیر موصوف کا عدل و انصاف دیکھیے کہ وہ اس مفہوم کو ان الفاظ کا خود ساختہ جامہ پہنا رہے ہیں کہ صحابہ کرام اپنی عملی زندگی میں فاسق و فاجر بھی ہو سکتے ہیں۔ میں اس طرزِ استدلال پر اس سے پہلے بھی تنبیہ کر چکا ہوں جبکہ "ذاتی مفاد" کے الفاظ میں سے امیر معاویہ پر "مفاد پرستی" کا وحشت ناک الزام برآمد کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور میں نے چند مثالیں اور پھر مولانا مفتی محمد شفیع کی عبارتیں نقل کر کے اس طریقِ بحث و کی غلطی واضح کر دی تھی۔ مگر صد حیف و صد افسوس کہ عدالتِ صحابہ والی بحث میں پھر بالکل وہی صورت درپیش ہے۔ اب میں بقول شاعر صرف یہ دعا ہی کر سکتا ہوں کہ:

یارب وہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات
دل اور دے ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

پھر مزید غضب یہ ہے کہ مولانا عثمانی صاحب بناء الفاسد علی الفاسد کے اصول پر پہلے تو مولانا مودودی کے منہ میں زبردستی یہ الفاظ ٹھونستے ہیں کہ صحابہ کرام اپنی عملی زندگی میں فاسق و فاجر ہو سکتے ہیں اور پھر اس فاسد اور فرضی بنیاد پر دوسرا ردّا یہ جماتے ہیں کہ اگر کسی صحابی کو فاسق و فاجر مان لیا جائے تو آخر روایتِ حدیث کے معاملے میں مولانا مودودی اس کے اعتماد کو یہ کہہ کر کیسے بحال کر سکتے ہیں کہ "کبھی کسی فریق نے کوئی حدیث اپنے مطلب کے لیے اپنی طرف سے گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی، نہ کسی صحیح حدیث کو اس بنا پر جھٹلایا کہ وہ اس کے مفاد کے خلاف پڑتی ہے۔" حالانکہ "فاسق و فاجر" تو درکنار

مولانا مودودی نے اس مقام پر "فسق" یا "فجور" کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا، صرف "عدالت کے منافی کام" کا لفظ لکھا ہے، بلکہ "فاسق" ہونے کی تو اُلٹا یہ کہہ کر تردید کی ہے کہ عدالت کے منافی کام سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی شخص عادل کے بجائے فاسق قرار پائے۔

مولانا نے اس بحث کے آغاز میں عدالت صحابہؓ کا صحیح مطلب جو بیان کیا ہے، وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:

"میں الصحابۃ کلھم عدول (صحابہ سب راستباز ہیں) کا مطلب یہ نہیں لیتا کہ تمام صحابہؓ بے خطا تھے، اور ان میں کا ہر ایک فرد ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے پاک تھا اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابی نے کبھی راستی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا ہے۔"

عدالتِ صحابہؓ کا صحیح مفہوم | میں سمجھتا ہوں کہ عدالتِ صحابہؓ کی اس سے بہتر اور محکم تر تعریف اور نہیں ہو سکتی۔ ہمارے بہت سے نامور علماء و محدثین نے عدالتِ صحابہ کی یہی تعریف بیان کی ہے جن میں سے چند نمونے میں یہاں نقل کرتا ہوں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ مُتون کلامیہ میں یہ جو لکھا ہے کہ صحابی پر طعن نہ کرنا چاہیے، تو اس کا مطلب کیا ہے؛ حالانکہ حدیث کی رُو سے امیر معاویہؓ کو ملک عضوض اور باغی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"آنچہ در مُتُونِ عقائد مرقوم است کہ صحابی را طعن نباید کرد درست است۔ اما روایت حدیثے کہ متضمن وجہے از وجوہ طعن در بعضے صحابہ باشد باکے ندارد۔ و بالجملہ غرضِ اصحابِ متون پاسِ ادبِ صحابیت است نہ آنکہ صحابہ کلھم معصوم اند و وجہے از وجوہِ طعن نداشتند۔۔۔

و آنچہ در کتب اصولیہ مرقوم است کہ الصحابۃ کلھم عدول، پس مراد آنست کہ صحابہ کلھم در روایت حدیث از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مامون و معتبر اند۔ ہرگز از ایشان کذب در روایت حدیث نشد۔ چنانچہ بتجربہ و تحقیق رسیدہ کہ در مقدمات دیگر از اینہا دروغ گفتہ باشد نہ آنکہ مصدر گناہے

نشدہ اند۔ چنانچہ عنقریب گزشت کہ بعضے از اینہا در حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارتکاب کبیرہ محدود گشتند ۔ ۔ ۔ ”۔ (فتاویٰ عزیزیہ جلد اوّل صفحہ ۹۹ - ۱۰۱ - کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند)۔

اس عبارت کا ترجمہ فتاویٰ عزیزی مترجم، سعید اینڈ کمپنی کراچی ص ۲۱۶ - ۲۱۷ پر یوں درج ہے:

”علم عقاید کے متُون میں جو مذکور ہے کہ صحابی کی شان میں طعن نہ کرنا چاہیے تو متوں میں جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے۔ لیکن کسی حدیث کی روایت جو متضمن ہو کسی وجہ کو وجوہ طعن سے، خواہ بعض صحابہ کے بارے میں ہو، تو اس روایت سے عقاید کے اس مسئلے میں کچھ حرج لازم نہیں آتا ہے اور اصحابِ متوں کی یہ مراد نہیں کہ سب صحابہ معصوم ہیں اور کوئی وجہ وجوہ طعن میں سے کسی صحابی میں نہیں ۔ ۔ ۔ اور کتبِ اصول میں جو مرقوم ہے کہ سب صحابہ عادل ہیں، تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں معتبر ہیں، ہرگز صحابہؓ سے کذب روایاتِ حدیث میں نہیں ہوا۔ چنانچہ تجربہ و تحقیق سے ثابت نہ ہوا کہ کسی بارہ میں کسی صحابی نے کچھ دروغ کہا ہے، نہ یہ کہ ان میں سے کسی سے کچھ گناہ کبھی نہ ہوا ہو۔ چنانچہ عنقریب بیان ہوا کہ ان لوگوں میں سے بعض حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بسبب ارتکاب بعض کبائر کے محدود ہوئے۔“

اسی فتاویٰ عزیزی مترجم ص ۲۹ ۳ سے ایک اور جواب بھی قابل ملاحظہ ہے:

”اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول یعنی صحابہؓ سب عادل ہیں۔ اس عقیدے کے بارے میں بارہا حضرت ولی نعمت اللہ مرحوم (شاہ ولی اللہ والد ماجد شاہ عبدالعزیز صاحب) قدس اللہ سرہ کے حضور میں بحث اور تفتیش واقع ہوئی تھی۔ آخر میں یہی منقح ہوا کہ اس جگہ عدالت کے متعارف معنے مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں یہ ثابت ہے کہ صحابہ سب عادل ہیں اور کسی دوسرے امر میں قطعی طور پر عادل ہونا مراد نہیں۔ حدیث کی روایت میں جس عدالت کا اعتبار ہے، اس سے مراد ہے پرہیز کرنا روایت میں قصداً دروغ کہنے سے اور پرہیز کرنا اس بات سے کہ اس سے روایت میں انحراف ہونے کا

خوف ہو۔ ہم نے سب صحابہؓ کی سیرت کی تحقیق کی، یہاں تک کہ ان صحابہ کی جو کہ فتنہ اور باہمی مخالفت میں مبتلا ہوتے تھے، ان کی سیرت کی بھی تحقیق کی تو میں نے سب صحابہ کو ایسا پایا کہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہ فرمائی ہو، اس بات کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف کی جائے، یہ سخت گناہ ہے۔ اور ایسی بات کہنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہ فرمائی ہو اور جو حقیقت نہ ہو، اس بات سے صحابہ نہایت پرہیز کرتے تھے۔

چنانچہ یہ امر اہلِ سیر پر ظاہر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس عقیدے کا کچھ نشان سابق کی کتب عقائد میں نہیں اور نہ سابق کی کتب کلام میں ہے۔ یعنی یہ امر متقدمین علماء کے نزدیک مسلّم تھا۔ اس وجہ سے اس میں کچھ بحث کی نوبت نہ آئی اور اسی وجہ سے سابق کی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں۔ صرف متاخرین محققین نے اس کا ذکر اصولِ حدیث میں کیا ہے، وہاں جہاں رواۃ کے طبقات کی تعدیل بیان کی ہے۔ پھر علماء نے یہ عقیدہ ان کتابوں سے عقائد کی کتابوں میں نقل کیا۔ اور یہ ان لوگوں نے نقل کیا ہے کہ جن لوگوں نے بلا غور و تعمق حدیث اور کلام میں خلط کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ عدالت جس سے علماء اصول کی غرض متعلق ہے، وہ عدالت مراد ہے کہ جس کا اعتبار روایت میں ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ پرہیز کیا جائے روایت میں قصداً دروغ کہنے سے اور پرہیز کیا جائے اس امر سے کہ جس سے نقل میں انحراف ہونے کا خوف ہو۔ دوسرے اور معنی نہیں تو اس صورت میں اس کلیہ میں مطلقاً اشکال نہیں، واللہ اعلم۔"

امام ابن تیمیہؒ منہاج السنہ جلد اوّل، ص ۲۲۹ (مطبعۃ الامیریہ، مصر، ۱۳۲۱ھ) پر فرماتے ہیں:

"الصحابۃ ثقات صادقون فیما یخبرون بہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم و اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وللہ الحمد من اصدق الناس حدیثا عنہ لا یعرف منہم من تعمّد علیہ کذبا مع انہ کان یقع من احدھم من الھنات

ما یقع ونھم ذنوب ولیسوا معصومین ومع ھٰذا فقد جرب اصحاب النقد والامتحان احادیثہم واعتبروھا بما تعتبر الاحادیث فلم یوجد عن احد منہم تعمد کذبۃ۔

"صحابہ کرام سب ثقہ راوی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو کچھ روایت کرتے ہیں اس میں وہ سچے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب الحمد للہ نبی کریمؐ سے حدیث بیان کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ صادق ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں معلوم ہو سکا جس نے آنحضورؐ پر عمداً جھوٹ بولا ہو حالانکہ انہی صحابہ کرام میں سے بعض سے کمزوریاں صادر ہوئیں جیسا کہ واقعہ ہے اور ان سے گناہ بھی سرزد ہوتے اور وہ معصوم نہ تھے۔ اس کے باوجود نقد و جرح کرنے والے محدثین نے صحابہ کرام کی احادیث کو چھان پھٹک کر دیکھا اور جس طرح احادیث کی جانچ اور موازنہ کیا جاتا ہے، اس طرح پرکھ کر دیکھا، لیکن کوئی ایک صحابی بھی ایسے نہ پائے گئے جنہوں نے عمداً کذب بیانی کی ہو۔"

اس کے بعد ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "امیر معاویہ منبر مدینہ پر جو حدیث بیان فرماتے تھے، اس کی بھی جانچ پڑتال کی جاتی تھی اور یہی کہا جاتا تھا کہ حدیث کے معاملے میں انہیں متہم نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور بُسر بن ارطاۃ کی سیرت کے بارے میں جو کچھ مشہور و معروف (مع ما عرف منہ) ہے، اس کے باوجود ان سے دو روایات ابوداؤد میں موجود ہیں، کیونکہ جملہ صحابہ کرام کا صدق علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم ایک مسلّم امر ہے۔"

استاذ عبدالوہاب (کلیۃ الشریعہ، الازہر) نے "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" پر جو حواشی تحریر کیے ہیں، ان میں وہ الصحابۃ کلہم عدول کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لا یقع فیہم ذنب او یقع ولا یؤثر فی قبول مارووا تھم (صحابہ کرام سے یا تو گناہ صادر نہیں ہوتا، یا ہوتا ہے مگر ان کی روایت کردہ احادیث کی قبولیت پر اثر انداز نہیں ہوتا)۔ اس کے بعد وہ محدث ابن الانباری و دیگر علماء کے اقوال کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کرتے ہیں، لکھتے ہیں:

وقال شاہ ولی اللہ الدھلوی: وبالتتبع ہم نے تتبع کے بعد معلوم کیا ہے کہ تمام صحابہ اس بات

وجدنا ان جمیع الصحابة یعتقدون ان ان الکذب علی رسول اللہ اشد الذنوب ویحترزون عنه غایة الاحتراز۔

کے معتقد تھے کہ رسول اللہ کی جانب جھوٹ منسوب کرنا شدید ترین گناہ ہے اور صحابہ کرام اس سے غایت درجہ پرہیز کرتے تھے۔

(تدریب الراوی، المکتبۃ العلمیہ بالمدینۃ المنورہ، ص ۴۰۲، طبع ۱۳۷۹)

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فاضلِ دیوبند اپنی کتاب "فہم قرآن" (ص ۱۳۴، مطبوعہ ۱۳۵۹ھ) "عدالت سے مراد" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

"یہاں اس امر کی تصریح کر دینی ضروری ہے کہ صحابہ کی عدالت سے مراد کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ اصولِ حدیث کی اصطلاح میں عدالت کے معنی جھوٹ نہ بولنا ہیں۔ پس ہم صحابہ کو جو عادل کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ بے گناہ اور معصوم ہیں، بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان میں کسی کی طرف کذب کا انتساب نہیں کیا جا سکتا، یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی صحابی نے عمداً و قصداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کی ہے جو آپؐ نے نہیں فرمائی۔ اس کا دعویٰ کسی محدّث نے نہیں کیا کہ صحابہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں اور ان سے احتیاط و تقویٰ کے خلاف کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ علامہ ابن الانباری کا قول ہے: لیس المراد بعدالتهم ثبوت العصمة لهم واستحالة المعصیة منهم وانما المراد قبول روایاتهم من غیر تکلف البحث عن اسباب العدالة وطلب التزکیة الا ان یثبت ارتکاب قادح و لم یثبت ذالك[1] (صحابہ کی عدالت سے یہ مراد نہیں کہ صحابہؓ بالکل معصوم ہیں اور ان سے معصیت کا صدور ہونا محال ہے، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ اسباب عدالت اور تزکیہ کی طلب سے متعلق بحث کے بغیر ان کی روایتیں قبول کی جائیں گی۔ مگر ہاں اس صورت میں جبکہ کسی امرِ قادح کے ارتکاب کا ثبوت بہم پہنچ جائے اور یہ ثابت نہیں ہے۔)"

---

[1] بحوالہ "ارشاد الفحول" للشوکانی

محدث ابن الانباریؒ کا یہ قول نواب سید محمد صدیق حسن خانؒ صاحب نے اپنی کتاب منہج الوصول الی اصطلاح احادیث الرسول ص۱۶۴ پر بھی عدالتِ صحابہ کی بحث میں ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"وابن الانباری گفتہ مراد بعدالت ایشاں ثبوت عصمت برائے ایشاں واستحالۂ معصیت برایشاں نیست بلکہ مراد قبول روایاتِ ایشاں است بغیر تکلف بحث از اسباب عدالت وطلب تزکیہ مگر آنکہ ارتکاب قادحی ثابت شود حال آنکہ ایں ارتکاب ثابت نشدہ"

مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنویؒ کے مجموعہ فتاویٰ حصہ سوم ص۱۲ (مطبوعہ ۱۳۰۹ھ، مطبع شوکت اسلام لکھنؤ) پر عدالتِ صحابہ سے متعلق ایک سوال وجواب یوں درج ہے:

سوال: درعقیدۂ اہل سنت الصحابۃ کلھم عدول، مراد از عدالت چیست؟

جواب: ایں عقیدہ نہ در کتب قدیمہ عقائد است ونہ در کتب علم کلام بلکہ ایں فقرہ را محدثین در اصولِ حدیث بمقام بیان تعدیل طبقات رواۃ می آرند وکسیکہ ایں را در عقائد درج کردہ است، از ہمانجا آوردہ باشد۔ ومراد از عدالت پرہیز کردن از قصد کذب در روایت است وفی الحقیقت تمام صحابہ متصف بعدالت کذائی بودند وکذب علی النبیؐ را اشد گناہ می پنداشتند"

ترجمہ: یہ عقیدہ نہ تو عقائد کی کسی قدیم کتاب میں ہے اور نہ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔ البتہ محدثین یہ بات اصول حدیث میں راویوں کی تحقیق وتعدیل کی بحث میں بیان کرتے ہیں۔ جس کسی نے اسے عقائد میں درج کیا، اسی جگہ سے لیا ہوگا۔ اور عدالت کے معنی ہیں روایت کے اندر کذب کے ارادے سے پرہیز کرنا اور درحقیقت تمام صحابہ اس عدالت کے ساتھ متصف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنے کو بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ (یہ جواب فتاویٰ مولانا عبدالحی مترجم ص۸۲ میں بھی دیکھا جاسکتا ہے)

۱؎ محمد بن بشار المعروف ابوبکر بن الانباری (متوفی ۳۲۸) کا شمار نامور حفاظ الحدیث میں ہوتا ہے۔ آپ تصانیف کثیرہ کے مالک ہیں۔

الصحابۃ کلہم عدول کا صحیح مطلب ان سارے اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اصول محدثین نے نقد و جرح کے بعد وضع کیا ہے۔ اس سلسلے میں مزید یہ امر بھی قابلِ وضاحت ہے کہ خلفائے راشدین اور بہت سے صحابۂ کرام کا اپنا معمول یہ تھا کہ وہ صحابی کی روایت قبول کرنے سے پہلے اُس سے بھی مزید شہادت یا حلف کا مطالبہ کرتے تھے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں الصحابۃ کلہم عدول کے اصول نے اجماعی کلّیہ و مسلّمہ کی حیثیت اختیار نہ کی تھی۔

بہرکیف اہلِ سنّت کے علما و محدثین کے ہاں یہ دو باتیں نہایت واضح اور مسلّم ہیں۔ ایک یہ کہ صحابۂ کرام سے صدورِ کبائر و معاصی ممکن ہے اور واقع ہوا ہے۔ دوسری یہ کہ عدالتِ صحابہ کا اصول روایت حدیث سے متعلق ہے اور اس سے مراد و مفہوم یہ ہے کہ کوئی صحابی ارادتاً و عمداً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس سے کوئی غلط بات منسوب نہیں کر سکتا۔ ان دونوں باتوں کے مابین عقلی اور واقعاتی اعتبار سے قطعاً کوئی منافات یا تناقض نہیں ہے۔ اس کے بعد بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ خلافت و ملوکیت میں امیر معاویہؓ یا کسی دوسرے صحابیٔ رسول کی طرف فلاں اور فلاں گناہ منسوب کر دینے سے صحابۂ کرام کی عدالت مجروح ہوتی ہے یا اس سے عقیدہ و ایمان خراب ہوتا ہے، اس شخص کے غلط قول کی زد میں صرف خلافت و ملوکیت یا کتبِ تواریخ ہی نہیں آتیں، بلکہ اس کی زد نصوصِ کتاب و سنت اور حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، اصول اور کلام کی بے شمار کتابوں اور ان کے جلیل القدر مصنفین پر بھی لازماً پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں وہی باتیں، بلکہ دوسری شدید تر باتیں درج ہیں، جن کے بہت سے نمونے میں اب تک نقل کر چکا ہوں، اور آئندہ بھی مجھے کرنے پڑیں گے۔ مدیر البلاغ نے ایک سراسر غلط اور بے دلیل موقف پر اصرار کرتے ہوئے پہلے تو خلافت و ملوکیت سے گیارہ افعال کی ایک باقاعدہ ترتیب وار فہرست مرتب کی ہے اور ہر فعل کو اپنے الفاظ سے نمک مرچ لگا کر خوب ہولناک بنایا ہے اور پھر وہ پوچھتے ہیں کہ ان جرائم کو "ایک دو یا چند گناہ کر گزرنے" سے تعبیر کرنا کیا اُسی لیپ پوت کی تعریف میں نہیں آتا جس سے مولانا مودودی بچنا چاہتے ہیں؟" میں عزیزم محمد تقی صاحب عثمانی سے کہتا ہوں کہ آپ کے پاس جو خلافت و ملوکیت کا نسخہ ہے، آپ چاہیں تو اس میں "ایک دو یا چند" کے بجائے گیارہ یا

اس سے اوپر کا کوئی عدد درج کر لیں، فقرہ اپنی جگہ پر پھر بھی صحیح اور بے غبار رہے گا۔ البتہ اس بات کا بڑا دُکھ اور ملال ہے کہ مولانا نے جو باتیں مجمل اور محتاط طریق پر چند سطروں میں بیان کی تھیں، مدیر البلاغ نے ان پر بحث کر کے مجھے مجبور کر دیا کہ ان میں سے ایک ایک کو کھول کھول کر بیان کروں اور اس کا ثبوت بھی پیش کر دوں۔

صحابۂ کرام سے کذب فی الحدیث کیوں محال ہے؟ مدیر البلاغ نے اس استدلال کو بھی بار بار دُہرایا ہے کہ ایک صحابی اگر اپنے ذاتی مفاد کے لیے ایسے اور ایسے گناہ کے کام کر سکتا ہے تو وہ اپنے مفاد کے لیے جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا؟ مجھے تو دینی مدارس میں منطق و معقول پڑھنے کا شرف حاصل نہیں ہو سکا، لیکن جن لوگوں نے ان مدرسوں سے سندِ فراغ حاصل کی ہے، انہیں اتنی بات تو سمجھ لینی چاہیے کہ ایک گناہ خواہ وہ کتنا ہی بُرا کیوں نہ ہو، اس سے دوسرے گناہ کا صدور لازم نہیں آتا، بلکہ اس کا صرف اشتباہ یا امکان پیدا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص اگر شربِ خمر کا مُرتکب ہو، تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جھوٹی حدیث بھی بیان کرے گا، البتہ ایک گمان یا شُبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اب چونکہ دوسرے مجروح راویوں کے متعلق اس ظن یا امکان کو دفع کرنے والی کوئی یقینی شئے نہیں، اس لیے ان کی روایت قابلِ قبول نہ ہو گی۔ لیکن صحابۂ کرام کے بارے میں جب محدثین نے باقاعدہ استقصاء و استقراء کے بعد یہ معلوم کر لیا کہ وہ زندگی کے دوسرے معاملات میں خواہ کوئی گناہ کر بیٹھیں، حتیٰ کہ وہ کسی دوسرے پر جھوٹی تہمت (قذف) ہی کے مرتکب کیوں نہ ہوں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کا انتساب ہرگز ہرگز نہیں کریں گے، تو پھر عثمانی صاحب آخر محض عقلی تیر تکے لڑا کر یہ استدلال کس بل بوتے پر کر رہے ہیں کہ جس صحابی سے دس یا بیس گناہ سرزد ہو سکتے ہیں، وہ کذب فی الحدیث کیوں نہیں کر سکتا؟ صحابی سے کبائر تک کے صُدُور سے انکار تو کسی کو ہے نہیں، تو کیا اب انکارِ حدیث کے لیے آپ ایک نیا نکتہ اور دلیل فراہم کر رہے ہیں اور منکرین حدیث کے ہاتھ میں ایک نیا ہتھیار دینا چاہتے ہیں؟

اب تک کی بحث سے الحمدللہ یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ صحابۂ کرام سے خواہ کیسی اور کتنی ہی خطاؤں کا صدور ہو، ان سے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب قطعاً محال ہے۔ اس کے بعد البتہ یہ سوال

اور یہ اشکال ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے کہ جب بڑے سے بڑے کبائر صحابہ کرام سے صادر ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ کسی ایک صحابی سے جھوٹی حدیث بیان کرنے کی غلطی سرزد نہیں ہوئی؟ عثمانی صاحب اور ان جیسے دوسرے حضرات کے طرزِ بحث سے میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ وسوسہ بعض ایسے لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے جو ویسے صحابہ کرام کی عدالت فی الروایت اور ان کی عدمِ عصمت دونوں کے قائل ہیں، اس لیے میں مختصراً مسئلے کے اس پہلو پر بھی محض اطمینانِ قلب کے حصول کی خاطر روشنی ڈالے دیتا ہوں۔

یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السّلام کے بعد افضل الخلائق تھے مگر بشری خصائص سے پاک نہ تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی مثالی تربیت و تعلیم کے باوجود صحابہ کرام سے غلطیاں ہو جاتی تھیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کی مشیئت و حکمت اس امر کی مقتضی تھی اور آنحضورؐ کی بھی زبردست خواہش و تمنا تھی کہ کم از کم ایک غلطی ایسی ہے جو صحابہ کرام کی سیرتوں میں سے کلّی طور پر معدوم ہو جانی چاہیے اور وہ غلطی یہی ہے کہ کوئی صحابی خدانخواستہ کوئی غلط بات اللہ کے رسول کی طرف منسوب نہ کرنے پاتے۔ دوسری غلطیوں کے اثرات تو ایک ذات یا چند افراد تک محدود رہ سکتے ہیں، مگر صحابہ کرام کی حدیث میں غلط بیانی سے تو پورا دین مشتبہ ہو جاتے گا۔ اس خدشے کے سدّباب کی جتنی فکر آنحضرتؐ کو تھی اور اس کے سدّباب کا جتنا اہتمام نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، میرے خیال میں آپ نے تردیدِ شرک کے ماسوا کسی اور معاملے میں نہیں فرمایا۔ آپ نے بارہا صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا: من کذب علیّ متعمّداً فلیتبوّا مقعدہٗ من النار[1] (جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے)۔ تقریباً دو سو سے زائد صحابہ کرام ہیں جنہوں نے اس ارشادِ مبارک کو روایت کیا ہے، حتیٰ کہ محدّثین کا بیان ہے کہ جس حدِّ تواتر تک یہ حدیث پہنچی ہے، کوئی دوسری حدیث نہیں پہنچی۔ اکثر صحابہ کرام نبی کریمؐ کا کوئی ارشاد نقل کرتے وقت پہلے یہ حدیث سناتے تھے اور ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ چہرہ متغیّر ہو جاتا تھا اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ بہت سے صحابہؓ اس ڈر کے مارے کہ کہیں کوئی غلط بات منہ سے نہ نکل جائے، زیادہ احادیث بیان نہیں کرتے تھے۔

---

[1] بخاری، ابواب العلم اور دوسرے بے شمار مقامات پر یہ حدیث وارد ہے۔

محدثین کا بھی یہی حال تھا کہ وہ اس حدیث کو کثرت سے بیان کرتے تھے اور کئی ایک نے مجموعہ ہائے احادیث کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔ پھر پوری طرح چوکنا ہو کر حدیث بیان کر لینے کے بعد کہتے تھے اوکما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یا ایسا ہی کچھ آنحضورؐ نے فرمایا) تاکہ نادانستہ آگ کی وعید کا مصداق نہ بن جائیں۔

پھر اس مضمون کی یہ ایک ہی حدیث نہیں ہے، بلکہ متعدد دیگر احادیث اس طرح کی وارد ہیں۔ مثلاً بخاری کتاب الجنائز اور دوسری کتابوں میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ وغیرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کذباً علیّ لیس ککذب علی احد۔ من کذب علیّ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔	مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ کے مانند نہیں ہے۔ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اُسے آگ میں اپنا ٹھکانہ بنا لینا چاہیے۔

بخاری، کتاب العلم میں حضرت علیؓ سے ایک روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا:

لا تکذبوا علیّ۔ من کذب علیّ فلیلج النار۔	مجھ پر جھوٹ ہرگز نہ بولو۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا، وہ آگ میں داخل ہوگا۔

اسی طرح بخاری، مناقب قریش میں حضرت واثلہؓ سے مروی ہے کہ آنحضورؐ سے نقل کرتے ہوئے انہوں نے بیان کیا:

ان من اعظم الفری ان یقول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالم یقل۔	سب سے بڑا افتراء یہ ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ قول منسوب کرے جو آپ کا نہ ہو۔

حضرت ابوموسیٰ سے ایک روایت ہے کہ:

کان آخر ما عھد الینا ان قال سترجعون الی قوم یحبّون الحدیث عنی ومن قال علیّ	آنحضورؐ کی ہم سے آخری وصیت یہ تھی کہ فرمایا تم کو ان لوگوں سے سابقہ درپیش ہوگا جو میری حدیث سے محبت

مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار (الکفایہ ص۱۶۶) کریں گے تو جو شخص مجھ سے ایسی بات منسوب کرے گا جو مَیں نے نہ کہی ہو تو وہ اپنی جگہ آگ میں بنالے۔

اس مفہوم کی بہت سی دوسری احادیث ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، مُسند احمد اور تقریباً ہر دوسری حدیث کی کتاب میں موجود ہیں۔ ان شدید ترین تنبیہات و وعیدات کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام کے اندر سے کذب علی النبی کا جذبہ اس طرح سے محو ہو گیا کہ کوئی ایک صحابی بھی ایسے کبھی نہ پائے گئے جو اس فعل کا ارتکاب کریں۔ حضرت علیؓ اور دوسرے بعض صحابہ سے بخاری اور دوسری کتابوں میں اس طرح کا قول منقول ہے کہ ہمارا آسمان پر سے چھلانگ لگا دینا اس سے بعید تر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی جانب جھوٹ منسوب کریں۔

حضرت علیؓ کا قول جو بخاری میں مروی ہے اور اُسے الکفایہ ص۱۰۲ پر بھی نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

فواللہ لان اخرّ من السماء احب الیّ من ان اکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ خدا کی قسم میرے لیے آسمان پر سے کود جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کروں۔

اسی کتاب کے ص۱۷۱ پر حضرت وکیعؒ نے حضرت اعمشؒ کا ایک قول صحابہ کرام کے متعلق روایت کیا ہے:

کان احدھم لان یخرّ من السماء احب الیہ من ان یزید فیہ واواً او الفاً او دالاً۔ ان اصحاب میں سے ہر ایک کا حال یہ تھا کہ ان کے لیے آسمان سے گر پڑنا اس بات کے مقابلے میں قابلِ ترجیح تھا کہ وہ حدیثِ رسول میں واؤ یا الف یا دال کا اضافہ اپنی طرف سے کردیں۔

صحابہ کرامؓ سے تبقاضائے بشریت بڑے بڑے گناہ واقع ہوئے اور صحابۂ کرام کے بعد بعض راویوں سے کذب فی الحدیث بھی رونما ہوا، مگر مَیں تو اس بات کو اللہ اور اس کے رسول کا ایک عظیم الشان معجزہ اور صحابۂ کرام کی سب سے بڑی کرامت سمجھتا ہوں اور اس میں حضرت معاویہؓ اور

ہر دوسرے صحابی کو برابر کا شریک و سہیم سمجھتا ہوں کہ اگرچہ ان کے اندر سے صلاحیتِ کذب جبلّی طور پر سلب تو نہ ہوئی، ان کے اندر سے دوسرے ذنوب بھی معدوم نہ ہوئے مگر آنحضورؐ پر جھوٹ بولنا بالکل معدوم اور قطعی طور پر ملیامیٹ ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ بحثا بحثی کے بجائے آیئے ہم سب مل کر اس نعمتِ عظیمہ کا شکر بجا لائیں اور اس مغالطہ آمیز اور خطرناک استدلال سے خدا کی پناہ طلب کریں کہ جب ایک صحابی سے اور ہر گناہ کا صدور ہو سکتا ہے تو وہ ایک جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا؟

(باقی)

سانحۂ مسجدِ اقصیٰ

کیا مسجدِ اقصیٰ کی آتش زدگی کا سانحہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے ——؟

یا

اس کے پیچھے یہودیوں کے ناپاک عزائم اور امریکہ و برطانیہ کی اسلام دشمنی کارفرما ہے؟ اس سوال کا مفصّل و مدلّل جواب۔ مستقبل میں یہودیوں کے خوفناک منصوبوں اور ان منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لیے مسلمانوں کو صحیح دعوتِ عمل ——— ! ان سب پہلوؤں پر

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

کی بصیرت افروز تصریحات

پمفلٹ سانحۂ مسجدِ اقصیٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔ قیمت فی کاپی ۴۰ پیسے

شائع کردہ: دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور